ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol. 6 No. 1 2022

# ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے فکری و تحریکی ماخذ، تحقیقی مطالعہ

☆ڈاکٹر حافظ عبدالخالق[1]

☆☆عطیہ خالق[2]

☆☆☆ڈاکٹر آصف جاوید[3]

## Abstract

*In the 19th century, the British, French, Dutch and Russians started gaining ground in different regions of the Islamic world ,which started to damage the central caliphate of the Muslims. This was the period when movements and efforts began to be made all over the world, including in the subcontinent, for revival the establishment of Islamic system. Overall, efforts for this purpose may not be the same because of the repression of circumstances or due to the differences of view, different Muslim scholars adopted different strategies to achieve the mutual goal.Among the scholars who worked in the form of collective discipline for the establishment of Deen, the name of Dr. Israr Ahmad is also of great importance who formed a movement named 'Tanzeem-e-Islami' The purpose of it's establishment was to establish the caliphate system in all the perspective of life. The question is where did Dr. Israr Ahmad borrow the ideology of Establishing the Deen? What are the scholars from whom Dr israr Ahmad was so impressed that he had given up his field like medical and had finally lost all of his abilities in this nobl cause? This is the basic question which is answered and explained in the following article.*

**Keywords:**Dr.Israr Ahmad,Tanzeem e Islami,Establishing the Deen,

### ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مختصر تعارف اور تنظیم اسلامی کا قیام:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ 26 اپریل 1932ء کو مشرقی پنجاب کے ضلع ہریانہ کے علاقے حصار میں پیدا ہوئے [4]۔ڈاکٹر مرحوم کے والد کا نام مختار احمد اور والدہ کا نام فردوسی بیگم تھا۔ڈاکٹر مرحوم نو بہن بھائی تھے،پانچ بھائی اور چار بہنیں۔ آپ نے 1947ء کو گورنمنٹ ہائی سکول حصار سے میٹرک میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ [5]اسی دوران علامہ اقبال کی کئی کتب پڑھ لیں اور مولانا مودودیؒ کی کتب اور رسالہ ترجمان القرآن پڑھنے لگے۔ 1949ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی، اور 1954ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس مکمل کیا۔ دینی تعلیم کے شوق کی وجہ سے 1965ء کو کراچی یونیورسٹی سے پہلی پوزیشن میں ایم اے اسلامیات پاس کیا۔ دوران تعلیم ہی جماعت اسلامی کے ساتھ منسلک رہے اور اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم بھی رہے۔ تاہم تعلیم کے بعد باقاعدہ جماعت اسلامی کے رکن بن گئے۔ 1957،1958ء میں جماعت اسلامی کے سیاست میں عملی شمولیت کی وجہ سے جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوگئے اور ذاتی طور پر احیائے دین کا کام شروع کیا۔ دروس کے علاوہ 1959ء میں ساہیوال میں ایک ہاسٹل قائم کیا جس کا مقصد کالج کے طلباء کو دینی تعلیم دینا تھا۔1966ء میں دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور قائم کیا جس کا مقصد علوم قرآنی کی عمومی نشرواشاعت تھا۔ پھر 1972ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی۔ جس کا مقصد عربی زبان کی تعلیم، مطالعہ قرآن کو عام کرنا اور علوم قرآنی کی نشرواشاعت کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی اقامت دین کے لیے ایک تنظیمی ہیئت کی ضرورت محسوس کرتے رہے جس کے لیے سب سے اول جون 1967ء میں رحیم یار خاں میں آپ نے شیخ سلطان احمد اور سردار محمد اجمل خاں کے ساتھ گفت وشنید کے بعد ایک قرارداد پر دستخط کیے کہ ایک اجتماعی ہیئت کا قیام عمل میں لانا ضروری ہے۔ [6] 8،9 ستمبر 1967ء میں ایک اجلاس میں اس قرارداد کی توضحات پیش کیں، جس میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور مولانا عبدالغفارؒ بھی شریک تھے اسی موقع پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اس ہیئت اجتماعی کے لیے "تنظیم اسلامی" کا نام پیش کیا۔ 28،27 مارچ 1975ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیراہتمام تنظیم اسلامی کا تاسیسی اجلاس ہوا، جس میں 103 افراد شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں تنظیم کا نام، شرائط، شمولیت کا طریقہ، ہیئت تنظیمی اور قواعد وضوابط طے ہوئے۔ [7]یوں مارچ 1975ء میں تنظیم اسلامی کا باقاعدہ طور پر قیام عمل میں آیا۔ ابتداء سے لے کر 2010ء تک ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس کے امیر رہے۔ 13 اور 14 اپریل 2010ء کی درمیانی شب ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا انتقال ہوگیا۔[8]تب سے اب تک ان کے بیٹے حافظ عاکف سعید صاحب امیر ہیں۔

---

[1]۔ **لیکچرر اسلامیات، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، حویلی لکھا، ضلع اوکاڑہ** aktoqeer114@gmail.com

[2]۔ایم فل علوم اسلامیہ ، تخصص سیرت النبی ﷺ،یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی،لاہور،پاکستان

[3]۔ایس ایس اسلامیات، گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول،اختر آباد، ضلع اوکاڑہ۔

[4]شامی، مجیب الرحمن،ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم اوران کی خدمات،ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور، جلد 19،شمارہ 17،27اپریل تا 3 مئی 2010ء،ص: 19؛خالد نجیب خاں،ڈاکٹر اسرار احمد،ہفت روزہ فیملی میگزین لاہور، جلد20،شمارہ 31،25اپریل تا یکم مئی 2010ء،ص: 9؛اسرار احمد،ڈاکٹر،(2005ء)، تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ،مرکزی انجمن خدام القرآن،لاہور،پاکستان۔ص 37

[5]۔اسرار احمد،ڈاکٹر،(2009ء)،عزم تنظیم،مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ص 11

[6]۔اسرار احمد،ڈاکٹر،(2014ء)، تعارف تنظیم اسلامی، مکتبہ خدام القرآن،لاہور، پاکستان۔ص 7،8

[7]۔تعارف تنظیم اسلامی،ص 13،12

[8]۔مرکز تعلیم وتحقیق،وفات محترم بانی تنظیم،ماہنامہ میثاق،لاہور،(پاکستان) جلد 59،شمارہ 5،مئی 2010ء،ص: 177؛وسیم احمد،ڈاکٹر اسرار احمد کا سفر آخرت،ہفت روزہ ندائے خلافت،لاہور،(پاکستان) جلد 19،شمارہ 17،27اپریل تا 3 مئی،2010ء،ص: 8

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی قائم کردہ تنظیم اسلامی کا مقصد:**

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی قائم کردہ تحریک ' تنظیم اسلامی ' کا مقصد قیام خلافت، اقامت دین اور غلبہ دین حق ہے۔ 1958ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ایک تنظیمی ہیئت تشکیل دینے کے لیے کوششیں جاری رکھیں اور آخر کار 1967ء میں رحیم یار خان میں ایک قرارداد پر دستخط ہوئے اور پھر 23 تا 27 مارچ 1975ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور میں تنظیم اسلامی کا اجلاس ہوا جس میں نام، شرائط وغیرہ طے پائی گئیں۔ اس تنظیم کے مقصد کو دیکھیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ تنظیم خالصتاً اقامت دین کے لیے قائم کی گئی ہے۔ دستور تنظیم اسلامی میں اس کا مقصد حسب ذیل الفاظ میں درج ہے۔

" تنظیم اسلامی نہ معروف معنی میں سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ ۔ بلکہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے جو پہلے پاکستان اور بالآخر کل روئے زمین پر اللہ کے دین کے غلبے یعنی اسلام کے نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کے لیے کوشاں ہے "[1]

اسی مقصد کے پیش نظر یہی عبارت بانی تنظیم اسلامی کی اکثر کتب کے آخری صفحہ پر بھی درج ہوتی ہے اور " تنظیم اسلامی کا پیغام۔ نظام خلافت کا قیام" یہ گویا ایک سلوگن ہے جو اشتہارات اور کتابچوں کی پشت پر لکھا ہوتا ہے۔ اس سے واضح پتہ چلتا ہے کہ تنظیم کا مقصد اقامت دین ہے ۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنی منزل کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا کہ ہماری منزل اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبہ دین حق ہے۔[2] اور تنظیم اسلامی و اقامت دین کی جدوجہد کے تاریخی پس منظر میں دوٹوک انداز میں زندگی کا مقصد یوں بیان کیا:

" احیائے اسلام اور غلبہ دین حق ہی عملاً میری زندگی کا اصل میں مقصد ہوں گے اور میری بہتر اور بیشتر مساعی بالفعل دعوت دین اور خلق خدا پر دین حق کی جانب سے اتمام حجت میں صرف ہوں گی۔"[3]

مزید یہ کہ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لیے جو عہد نامہ تشکیل دیا گیا ہے اس میں درج الفاظ "لا قامۃ دینہ واعلاء کلمتہ ولاجل ذلک "[4] بھی اقامت دین کو مقصد ہی قرار دے رہے ہیں۔ بہر حال اس ساری گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تنظیم اسلامی کا مقصد اقامت دین اور قیام خلافت ہے۔

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک دین کا مفہوم:**

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک اصلاً دین کا مفہوم کچھ اور تھا لیکن برصغیر میں مغربی استعمار کی غلامی کی وجہ سے وہ تصور ناپید ہو گیا جس کی وجہ سے نظام اجتماعی کے کسی بھی گوشے کا تعلق اسلام سے باقی نہ رہا اور دین کا یہ تصور کہ وہ ایک مکمل نظام بھی ہے، نظروں سے اجھل ہو گیا۔[5] دین کا وہ تصور اور مفہوم کیا تھا جو نظروں سے اوجھل ہوا، اسے ڈاکٹر اسرار احمدؒ مزید وضاحت کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں:

" دین کا اصل مفہوم جزا و سزا اور بدلہ ہے اس بنیادی تصور کے تمام مقتضیات اور لوازم کے اجماع سے قرآن مجید کی مخصوص اصطلاح الدین بنی ہے ۔ چنانچہ دین کے معنی ہیں ایک پورا نظام زندگی، مکمل ضابطہ حیات اور اکمل واتم دستور و آئین اطاعت، جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع، مقنن اور حاکم مطلق مان کر اس کی سزا کے خوف اور اس کے انعام کے ذوق وشوق سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ قانون اور ضابطے کے مطابق اس ہستی یا ادارے کی کامل اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے۔"[6]

اسی بات کو مختلف پیرائے میں ایک اور جگہ یوں بیان کرتے ہیں:

" عربی میں دین کے لغوی معنی ہیں بدلہ، ظاہر ہے کہ بدلہ کسی کام کے نتیجہ کے طور پر ملتا ہے اچھے کام کا اچھا اور بے کام کا برا بدلہ۔ لہٰذا لفظ دین میں جزا و سزا کا مفہوم پیدا ہوا۔ اس مفہوم سے لفظ دین میں قانون اور ضابطہ کا تصور شامل ہوا۔ کیونکہ جزا اور سزا متلزم ہے کسی قانون اور ضابطہ کو۔ اس تصور کے مقتضیات ولوازم کے طور پر اسی لفظ دین میں ایک مقنن و مطاع کے تمام مفاہیم کو جمع کیجیے تو حاصل جمع ہو گا اطاعت۔ لہٰذا ان تمام مطالب و مفاہیم اور تصورات کے اجتماع سے قرآن مجید کی اصطلاح 'دین' بنی۔ دین کے معنی ہوئے ایک دستور، ایک پورا نظام حیات، ایک مکمل ضابطہ زندگی جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع مقنن اور حاکم مطلق تسلیم کر کے اس کی جزا کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ کردہ قانون اور ضابطہ کے مطابق اسی ہستی یا ادارے کی کامل اطاعت کرنا"۔[7]

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوئی کہ دین ایک دستور، نظام حیات اور ضابطہ و قانون ہے پھر یہ قانون و دستور کسی کو مطاع، مقنن اور حاکم مطلق مان کر تسلیم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا دین اللہ کا مفہوم ہو گا کہ اللہ کو مطاع، مقنن اور حاکم مطلق مان کر اسی کے قوانین کو تسلیم کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ یوسف کی آیت مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً

---

[1] ۔ دستور تنظیم اسلامی، ( ترمیم شدہ اپریل 2013،2016ء)، ناشر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور، پاکستان۔ ص 3: تعارف تنظیم اسلامی، ص 4

[2] ۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، (2013ء)، قرب الٰہی کے دو مراتب، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔ ص 70

[3] عزم تنظیم، ص 8 (یہ کتابچہ پہلے "سرافگندیم" کے نام سے اور اب " عزم تنظیم" کے عنوان سے چھپتا ہے ۔)

[4] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2016ء)، اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔ ص 33،32

[5] اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت، ص 6،7

[6] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، مطالبات دین، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص: 81: قرب الٰہی کے دو مراتب، ص 48

[7] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2016ء)، توحید عملی، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔ ص 67،68

سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ[1] کے ذیل میں دین کو حاکمیت الٰہی کے معنی میں بیان کرتے ہیں اور اسے الدین القیم کہتے ہیں۔[2]

مزید ایک سوال کے جواب میں دین اور مذہب کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دین نظام کو کہتے ہیں اور نظام انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی کے مزید تین گوشوں سیاسی، معاشی اور سماجی نظام پر مشتمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اسلام کے لیے صرف دین کا لفظ استعمال ہوا۔ اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اسمیں انفرادی زندگی کے تین شعبے بھی ہیں یعنی مذہب بھی ہے اور اجتماعی زندگی کے تین گوشے یعنی معاشی، سیاسی، سماج2ی نظام بھی ہے۔ اس معاشی، سیاسی اور سماجی نظام کے تحت قوانین بنتے ہیں جیسے کریمنل لا، سول لاء، قانون شہادت اور قانون وراثت وغیرہ۔" [3]

3

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوئی کہ انسانی زندگی کے انفرادی پہلو یعنی عقیدہ وعبادت کے ساتھ ساتھ اجتماعی پہلو کے تین گوشے معاشی، سیاسی اور سماجی نظام بھی دین میں شامل ہے۔ لہٰذا اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرنا اور اس کے جاری کردہ قانون یعنی دین کو ماننا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا ہی اصلاً دین ہے۔ انھیں مفہومات کے پیش نظر ڈاکٹر مرحوم بیان کرتے ہیں کہ جہاں بھی کوئی نظام ہو گا وہاں پہلے یہ طے ہو گا کہ وہاں مطاع مطلق، مختار مطلق، اصل قانون ساز اور حقیقی مقنن کون ہے۔ یہ طے ہونے کے بعد اس کی اطاعت کے اصول پر پورا نظام بنے گا اور قوانین مدون ہوں گے۔ اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معاملات چلائے جائیں گے۔ اس طرح جو نظام بنے گا وہ اس ہستی کا دین کہلائے گا۔ اگر تو کسی ایک شخص کا قانون ہے اور وہی مطاع ہے تو اسی کا دین ہو گا اور وہ دین الملک کہلائے گا، اگر جمہور کا قانون ہے تو جمہور کا دین ہو گا۔ اسی طرح اگر اللہ کا قانون ہے تو دین اللہ کہا جائے گا۔ یعنی دین کی تین قسمیں ہوئیں۔ دین الملک، دین جمہور اور دین اللہ۔[4] بطور خلاصہ دین اور دین اللہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

"غور کیجیے کہ دین اللہ اور دین حق کا مفہوم کیا ہو گا! وہ نظام جس میں اللہ ہی کو مطاع مطلق تسلیم کیا جائے حاکمیت مطلقہ صرف اس کے لیے ہو ...اس اصول پر مبنی پورے نظام زندگی کا جو مکمل ڈھانچہ استوار ہو گا وہ کہلائے گا دین اللہ یا دین حق ہے"۔[5]

**ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک اقامت دین کا مفہوم:**

یہ بات تو سطور بالا میں خوب واضح ہوئی کہ دین میں دو چیزیں شامل ہیں ۔ کسی ہستی کو مطاع مطلق اور حاکم مطلق ماننا کر اسی ہستی اور ادارے کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق اپنی زندگی کا نظام مرتب کرنا۔ اور وہ نظام زندگی محض انفرادی پہلو سے نہیں ہو گا بلکہ اس کا تعلق فرد کی اجتماعی زندگی کے ساتھ بھی ہو گا۔ لہٰذا اس سے دین کا دائرہ کار متعین ہو گیا کہ اس میں تین چیزیں شامل ہیں۔ کسی ہستی کو مطاع مطلق تسلیم کرنا، اس کے جاری ونافذ کردہ قوانین کو تسلیم ولاگو کرنا، ان قوانین کو انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے لیے بھی اختیار کرنا۔ اس کے ساتھ اگر اقامت کے لفظ، جس کا معنی ہے 'قائم رکھنا یا قائم کرنا' کو شامل کیا جائے تو مفہوم یہ بنتا ہے کہ دین کو اپنے تمام مفاہیم اور لوازم ومقتضیات سمیت اپنی زندگی کے انفرادی پہلوؤں سے اجتماعی پہلوؤں تک قائم کرنا یا قائم رکھنا ۔ اسی بات کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بیان کیا ہے کہ اگر دین پہلے سے قائم اور غالب ہے تو اس کو اس حالت پر برقرار رکھنا اقامت دین ہے لیکن اگر دین بالفعل قائم نہیں ہے تو اسے دنیا میں قائم اور غالب کرنے کی جدوجہد کرنا اقامت دین ہے ۔[6] اور قرآن کریم کے متعلق لکھا کہ اگر وہ واقعی ضابطہ حیات ہے جیسا کہ فی الوقع وہ ہے، تو اس کو نافذ کیا جانا چاہیے اور قرآن نے اگر کوئی نظام دیا ہے اور واقعی دیا ہے تو وہ نظام قائم ہونا چاہیے ، یہی اقامتِ دین ہے۔[7] اقامت دین کے مفہوم میں ڈاکٹر صاحب مرحوم اس بات کو بھی ذکر کرتے ہیں کہ دین کی اقامت کلی طور پر ہو گی یعنی دین اپنے تمام لوازم ومقتضیات سمیت قائم رکھا یا کیا جائے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"اللہ اس بات کے لیے تیار نہیں کہ آدھا دین میرا مان لو کچھ اطاعت میری کر لو اور آدھا دین کسی اور کا مان لو، اس کی اطاعت بھی کر لو، یہ طرز عمل درکار نہیں ہے۔ اللہ کا مطالبہ تو یہ ہے کل کا کل دین، کامل اطاعت اس کے لیے خالص ہو جائے اور دین میں انسان پورے کا پورا داخل ہو جائے ... یہ نہیں کہ اس کا کوئی جز مان لیا جائے، مسجد میں تو

---

[1] سورہ یوسف: 40

[2] قرب الٰہی کے دو مراتب، ص 47، 48

[3] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، یادگار انٹرویو، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 39

[4] تفصیل کے لیے: مطالبات دین، ص 81 تا 84؛ اسرار احمد، ڈاکٹر، (2017ء)، مطالعہ قرآن کا منتخب نصاب ، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔ ج 2، ص 99، 100؛ اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، رسول اکرم اور ہم، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 167

[5] مطالعہ قرآن کا منتخب نصاب: ج 2، ص 100

[6] مطالبات دین، ص 89، 90

[7] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2017ء)، دینی فرائض کا جامع تصور، مکتبہ خدام القرآن، لاہور ، پاکستان۔ ص 24

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

اللہ کی مرضی چل رہی ہو، پارلیمنٹ میں نہ چلتی ہو، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس اور ماتحت عدالتوں میں نہ چلتی ہو، ذرائع ابلاغ میں نہ چلتی ہو، بازار میں نہ چلتی ہو، منڈی میں نہ چلتی ہو، گھر میں نہ چلتی ہو، یہ تو معاذاللہ تم نے اللہ کو ٹرخادیا ہے۔ ایک بڑا ہی جزوی اور چھوٹا سا حصہ تو اس کو دیا ہے باقی سب دوسروں کو الاٹ کر دیا۔" [1]

یعنی اقامت دین کا مطلب ہے پوری انسانی زندگی پر دین کا غلبہ ،انفرادی سطح پر بھی ،اور اجتماعی سطح پر بھی۔ [2] گویا زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہو جس میں دین قائم نہ ہو، اگر نظام حیات کے بعض شعبوں میں دین کا قیام ہے اور کچھ اپنی مرضی یا کسی اور قانون کے تحت چلائے جا رہے ہیں تو اسے کلی قیام دین نہیں کہا جائے بلکہ تفرقہ دین اور علی الدین کلہ کی مخالفت ہوگی۔ کلی دین کے قیام کا استدلال انھوں نے وَلاَ تَتَفَرَّقُواْ فِيهِ ،إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ ،على الدين كله کے الفاظ سے کیا ہے۔[3] اور اقامت دین کی اصطلاح سورہ شوریٰ کی آیت نمبر 13 سے ماخوذ ہے۔[4]

## بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے فکری و تحریکی ماخذ:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ باقاعدہ کسی دینی مدرسے سے فارغ التحصیل تو نہیں تھے ،تاہم بعض جید علماء اور مفکرین کی صحبت اور ان کی فکر سے فیض یاب ہوتے رہے۔ جن حضرات کی تحریروں اور خطابات کو آپ نے حرز جان بنایا، جن سے آپ کی فکر میں پختگی پیدا ہوئی اور گہرائی میں اضافہ ہوا ، اور آپ نے جو بھی علمی ، فکری، تحریکی اور عملی کام کیے ، وہ ان شخصیات کی فکر سے متاثر ہو کر شروع کئے ۔ان میں علامہ محمد اقبالؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ زیادہ اہم ہیں ۔ان کے علاوہ مولانا حمید الدین فراہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ڈاکٹر رفیع الدینؒ آپ کی فکر اور قرآن فہمی کا بڑا ذریعہ ہیں۔ [5] ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے سب سے پہلے متاثر ہونے کے اعتبار سے جس شخصیت کا تذکرہ کیا ہے وہ علامہ محمد اقبال ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ اپنی فکر، سوچ اور نقطہ نظر کے تعین کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آپ حضرات کو بتلاؤں کہ ذاتی طور پر میرا وہ کیا ذہنی و فکری پس منظر ہے اور ذاتی طور پر میرے لیے وہ کیا محرکات تھے جن کے تحت میں نے یہ تنظیم قائم کی ....... مختصراً میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری فکر ،میری سوچ اور میرے نقطہ نظر کے متعین ہونے میں دو اہم ترین عوامل تھے۔ بالکل اوائل عمر یعنی بچپن ہی میں ، میں جس چیز سے سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا وہ علامہ اقبال کی ملی شاعری تھی۔ یوں سمجھیے کہ یہ چالیس کی دہائی کے ابتدائی سال تھے جبکہ میری پیدائش 1932ء کی ہے۔ میں اپنی پانچویں جماعت ہی کے زمانے سے 'بانگ درا' پڑھتا رہا ہوں اور اس میں جو ایک علمی جذبہ ہے اس نے میرے قلب و ذہن پر گہرے اثرات مرتب کئے "۔ [6]

ایک اور جگہ پر علامہ اقبال کی فکر کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

"نمر شعوری کے دور کے آغاز پر میرے ذہن نے اولین اثرات علامہ اقبال مرحوم کی اصل شاعری سے قبول کیے ، میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا جب میرے بڑے بھائی صاحب نے مجھے 'بانگ درا' لا کر دی، جسے میں گھنٹوں کچھ سمجھے اور کچھ بغیر سمجھے ترنم کے ساتھ پڑھتا رہتا تھا۔ بانگ درا کی نظموں میں سے مجھے سب سے زیادہ پسند وہ تھیں جن میں ملت اسلامی کے مستقبل کے بارے میں ایک امید افزاء نقشہ کھینچا گیا تھا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور امت مرحومہ کی تحدید کی خوشخبری دی گئی تھی ۔" [7]

آگے جا کر خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اپنی عمر کے نیم شعوری والے دور میں میرے ذہن پر اولین چھاپ علامہ اقبال کی ملی شاعری کی پڑی اور اس سے احیائے دین ، اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور ملت اسلامی کی تجدید و تشکیل نو کا ایک جذبہ میرے قلب کی گہرائیوں میں رچ بس گیا۔ [8]

اسی اثر کی وجہ سے وہ اپنی تقاریر میں اکثر جگہ علامہ اقبال مرحوم کے اشعار پڑھا کرتے تھے اور یہ انداز ان کی تحاریر میں بھی ملتا ہے۔ [9]

مذکورہ گفتگو سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے، علامہ محمد اقبالؒ کی ملی شاعری سے تحریک پائی اور اس سے متاثر ہو کر اس فکر کو اختیار کیا ہے۔ اس بات کے متعلق ایک اور جگہ سے بھی شہادت ملتی ہے وہ یہ کہ علامہ محمد اقبالؒ پر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے ایک کتاب بعنوان "علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین" لکھی۔ جس میں انھوں نے 1932ء سے 1936ء کے درمیانی عرصہ میں دو اسلامی انقلابی جماعتوں کے قیام کا تذکرہ کیا ہے، جو علامہ اقبال کی ایما پر قائم ہوئی تھیں۔ ایک 'جماعت مجاہدین' علی گڑھ اور دوسری 'جمعیت شبان المسلمین' ہند ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے لکھا ہے کہ دونوں جماعتیں انقلابی طرز اور اسلامی نظم جماعت کے تنظیمی ڈھانچے پر قائم ہونے جا رہی تھیں۔ یعنی ان

---

[1] توحید عملی، ص 92

[2] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2017ء) 8 حقیقت ایمان، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 18

[3] توحید عملی، ص 79، 92؛ رسول اکرم اور ہم، ص 174، 175

[4] شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ

[5] رافعۃ الجبین ،(جنوری 2016ء)، ڈاکٹر اسرار احمد شخصیت اور دینی خدمت، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 21؛ اسرار احمد، ڈاکٹر ،(2007ء)، علامہ اقبال قائد اعظم اور نظریہ پاکستان ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 18؛ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: اسرار احمد، ڈاکٹر ،(1992ء)، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔ ص 129 تا 146

[6] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2015ء)، تنظیم اسلامی کی دعوت، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 5۔

[7] عزم تنظیم، ص 10

[8] عزم تنظیم، ص 12، 11

[9] تنظیم اسلامی کی دعوت، ص 4 تا 6؛ عزم تنظیم، ص 11، 10؛ اسرار احمد، ڈاکٹر، (2015ء)، اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 10، 16 تا 27

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

کا تنظیمی ڈھانچہ بیعت، مجلس شوریٰ، امیر، اطاعت امیر، اعلائے کلمۃ اللہ، ارکان کی خاص وعام میں تقسیم وحلف نامہ اور تدریجاً اسلامی نظام کے قیام پر مشتمل تھا۔ پوری کتاب کا مرکزی نکتہ یہی ہے کہ وہ انقلابی جماعتیں تھیں اور ان کو علامہ اقبالؒ کی تائید، حمایت، سرپرستی اور رہنمائی حاصل تھی۔ اس کتاب کو بنیاد بنا کر حافظ عاکف سعید نے بھی ایک کتاب بعنوان "علامہ اقبال کی آخری خواہش" لکھی، اور اس میں بھی اسی بات کو واضح کیا گیا۔[1]

حافظ عاکف سعید نے لکھا ہے کہ یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ علامہ اقبالؒ اپنی حیات کے آخری حصہ میں مسلمانوں کے عروج واقبال اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر خالص اسلامی اصولوں یعنی بیعت کی بنیاد پر قائم ہونے والی ایک ایسی انقلابی جماعت کی تشکیل کی سرتوڑ کوشش بھی کرتے رہے جو محض نام کے مسلمانوں پر نہیں بلکہ فداکاروں پر مشتمل ہو۔[2] جس کے قیام کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ یعنی دین حق کے غلبے اور اقامت کے لیے انقلابی انداز میں جدوجہد کرنا تھا۔[3]

اس کے لیے انھوں نے ایک تو علامہ اقبالؒ کے خطبہ الہ آباد سے براہ راست استدلال کیا۔[4] اور دوسرا اس سے استدلال کیا کہ اسی خطبہ سے متاثر ہو کر مسلم علی گڑھ یونیورسٹی کے صدر شعبہ فلسفہ سید ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب نے علامہ اقبال کی ایما پر ہی، ایک انقلابی تحریک 'جماعت مجاہدین' کے لیے کام شروع کیا اور ان کے اور علامہ اقبال کے درمیان خط وکتابت بھی ہوئی۔[5] مزید اس امر سے بھی دلیل کی کہ علامہ اقبال کی رہنمائی پر ہی ایک اور اسلامی انقلابی جماعت 'جمعیت شبان المسلمین' ہند پر کام ہوا، جو ان کے ایک عقیدت مند خواجہ عبدالوحید نے کیا۔[6] لہٰذا اس سب سے یہ نتیجہ نکالا کہ علامہ اقبال اپنی عمر کے آخری حصے میں ایک اسلامی انقلابی جماعت کے قیام کے لیے کوشش کرتے رہے ہیں۔

اس پوری بحث سے حافظ عاکف سعید صاحب یہ بات ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تنظیم اسلامی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے، کیوں کہ تنظیم اسلامی کی اٹھان بھی تقریباً انہی خطوط پر ہوئی ہے اور اس کی تنظیمی ہیئت بھی حیرت انگیز طور پر کئی اعتبارات سے اسی تنظیمی ہیئت اور نظام کے مشابہ ومماثل ہے، جو علامہ اقبال کی رہنمائی میں مرتب کیا گیا تھا۔ لہٰذا ہمیں خوشی ہے کہ بالکل انہی اصولوں پر اور انہی اہداف کے لیے تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا ہے اور حضرت علامہ کے اس خواب کی بتمام وکمال تعبیر صرف اور صرف ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی پیہم کاوشوں کے نتیجے میں تنظیم اسلامی کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تنظیم اسلامی کے امیر، علامہ اقبال کی حیات کے اس اہم گوشے اور ایک اسلامی انقلابی جماعت کی ہیئت تنظیمی کے بارے میں ان کے نظریات سے تاحال بے خبر تھے لیکن اس کے باوصف اکثر جزئیات میں کامل اتفاق کا پایا جانا انتہائی حیران کن ہے، لہٰذا یقینی طور پر یہ بات اس امر کا مظہر ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو علامہ اقبال کے ساتھ صرف ذہنی وفکری ہی نہیں، ایک خصوصی روحانی نسبت بھی حاصل تھی۔[7]

جس طرح ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنی فکر پر علامہ اقبالؒ کی شاعری کے اثرات کا تذکرہ کیا ہے کہ احیائے دین اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی فکر اور سوچ کو پیدا کرنے میں علامہ اقبال کی ملی شاعری کا ایک اہم کردار ہے، بعینہٖ ڈاکٹر صاحب مرحوم اس بات کا بھی برملا اعتراف کرتے ہیں کہ میری فکر، سوچ اور نقطہ نظر متعین کرنے میں دوسرا اہم عنصر اور کردار مولانا مودودیؒ اور ان کی قائم کردہ تحریک 'جماعت اسلامی' کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

> "میرے ذہن وفکر اور میری سوچ پر دوسری بڑی چھاپ مولانا مودودی کی ہے جن کی فکر کے دو پہلو میرے سامنے بہت واضح ہو کر آئے، ان میں سے ایک بات اگرچہ علامہ اقبال کے کلام سے بھی واضح ہو چکی تھی لیکن علامہ اقبال سے جو خاکہ بنا تھا اس میں تفصیل کا رنگ مولانا مودودی کی کتابوں نے بھرا"۔[8]

وہ تصورات، وہ فکر وہ ذہن اور نقطہ نظر کیا تھا جو ڈاکٹر صاحب نے علامہ اقبال کی شاعری سے اجمالاً اور مولانا مودودی کی کتب سے تفصیلاً حاصل کیا تھا اس کا تذکرہ ان کے اپنے الفاظ میں یوں لکھا ہے:

> "وہ یہ کہ اسلام ایک مذہب نہیں، دین ہے، یہ ایک مکمل نظام زندگی ہے، یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے، یہ مغلوب ہونے کیلئے نہیں آیا، الحق یعلو ولا یعلی علیہ۔ حق کا تو حق ہے کہ وہ غالب ہو، سربلند ہو، نہ یہ کہ وہ مغلوب اور پامال ہو، اس کے علاوہ دوسرا پہلو فرائض دینی کے حوالے سے سامنے آیا یعنی فرائض دینی صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر آگے بھی ہیں۔ چنانچہ خود دین کا ایک ہمہ گیر تصور اور پھر فرائض دینی کا ایک جامع تصور۔ یہ دو چیزیں ہیں جو مولانا مودودی کی تصانیف سے میرے سامنے آئیں اور جس کا بحمد للہ آج بھی اقرار کرتا ہوں"۔[9]

---

[1] تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، (دسمبر 1994ء)، علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس؛ عاکف سعید، حافظ، (نومبر 2006ء)، علامہ اقبال کی آخری خواہش، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ (خصوصاً خطوط اور خواجہ عبدالوحید کی ڈائری والے صفحات انتہائی قابل مطالعہ ہیں۔)

[2] علامہ اقبال کی آخری خواہش، ص 3

[3] علامہ اقبال کی آخری خواہش، ص 38

[4] علامہ اقبال کی آخری خواہش، ص 5،6

[5] علامہ اقبال کی آخری خواہش، ص 11 تا 23

[6] علامہ اقبال کی آخری خواہش، ص 24 تا 36

[7] علامہ اقبال کی آخری خواہش، ص 24،23 اور 39

[8] تنظیم اسلامی کی دعوت، ص 6

[9] تنظیم اسلامی کی دعوت، ص 6،7

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

مولانا مودودی کے فکری اثرات کا اقرار کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

"یہ دعوت تھی موسس جماعت اسلامی مولانا مودودی ؒ کی جس نے میرے جذبہ ملی کو ایک نئی وسعت (Dimension) عطا کی اور دل میں تجدید و احیائے ملت کے ساتھ ساتھ، بلکہ اس سے بھی مقدم اور پیشتر تجدید و احیائے دین کا جذبہ پیدا کیا یایوں کہہ لیں کہ علامہ اقبال مرحوم کے عطا کردہ جذبہ ملی کے خاکے میں ایک دینی فکر کا رنگ بھر دیا"[1]

محض تصور دین واقامت دین کے حوالے سے ہی مذکورہ شخصیات کو بطور ماڈل نہیں بنایا بلکہ فہم دین کے حوالے سے بھی مولانا مودودی کو اپنا رہنما تسلیم کیا ہے، فہم قرآن کے سلسلہ میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مولانا مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا تذکرہ کرتے ہیں کہ قرآن حکیم سے اولین تعارف اسی تفسیر کی وساطت سے ہوا، ڈاکٹر صاحب مرحوم کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"میں تفہیم القرآن سے پہلی بار متعارف ہوا ، مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ اس زمانہ میں ، میں اور میرے بڑے بھائی ہم دونوں محلے کی ایک مسجد میں ماہنامہ 'ترجمان القرآن' کے تازہ پرچوں سے تفسیر سورۃ یوسف پڑھا کرتے تھے .... اور مجھے اس اعتراف میں ہرگز کوئی باک نہیں کہ میرے دل میں قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی رغبت، اولاً اسی کے ذریعے پیدا ہوئی بلکہ قرآن حکیم سے میرا اولین تعارف اس کی وساطت سے ہوا"۔[2]

اسی طرح ڈاکٹر صاحب مرحوم نے مولانا مودودی کی دیگر تصانیف کو بھی بالاستیعاب پڑھا اور جو کچھ ان میں تھا ان کو اچھی طرح سمجھ کر ہضم کر لیا، ڈاکٹر صاحب کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

"جہاں تک مولانا مودودی کی تصانیف کا تعلق ہے ان کا تو میں اس دور میں متعلم ہی نہیں معلم بن گیا تھا خصوصاً ان کی جو تحریریں تحریک جماعت اسلامی کے اصول و مبادی اور اس کے مختلف ادوار سے متعلق تھیں ان کا تو ایک حد تک حافظ ہو گیا تھا ۔ چنانچہ اس تحریک کی امتیازی خصوصیات اور اس کے مخصوص طریق کار کے بارے میں اس دور میں میرا ذہن بالکل صاف ہو چکا تھا اور اس میں کوئی ابہام نہ رہا تھا۔"[3]

ڈاکٹر اسرار احمد نے نہ صرف مولانا مودودی ؒ کی فکر کو اختیار کیا بلکہ بعض خاص اصطلاحات جو کہ صرف مولانا مودودی ؒ کی ایجاد کردہ ہیں ، ان پر اتفاق کیا اور اسی نقطہ نظر کا اظہار فرمایا، ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

"میں نے بار بار کہا ہے کہ اس ضمن میں مولانا مودودی مرحوم کی رائے کو بالکل صحیح سمجھتا ہوں کہ اسلامی ریاست نہ تھیوکریسی ہے اور نہ ڈیموکریسی ، بلکہ یہ ایک تھیوڈیموکریسی ہے کیونکہ اس میں 'Theo' اور 'Demo' دونوں عنصر جمع ہیں"۔[4]

تصور اقامت دین کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ اپنی تحریک 'تنظیم اسلامی' کو 'جماعت اسلامی' کا ہی تسلسل شمار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو مقصد اور نصب العین جماعت اسلامی کا تھا وہی میرا مقصد ہے تاہم اتنی بات ڈاکٹر صاحب مرحوم ضرور کہتے ہیں کہ تقسیم ہند سے پہلے کی جو جماعت اسلامی تھی میں اس کے ساتھ متفق ہوں اور میرا دعوی ہے کہ میں اس نہج پر کام کر رہا ہوں۔[5]

مزید یہ کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے دینی فرائض کا ایک جامع تصور پیش کیا ہے[6]۔ اس تصور فرائض دینی کے سلسلے میں ان کے نزدیک سب سے زیادہ تاکیدی عنصر اور فرض 'فریضہ اقامت دین' ہے جس کو سب سے زیادہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہ تصور کہاں سے اخذ کیا ہے، اس کی وضاحت یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ تصور دراصل ایک دینی تحریک کا ورثہ ہے جس کے ساتھ میری گہری وابستگی رہی ہے اسی تحریک نے مجھے یہ تصور دیا تھا... دین کا یہ تصور نہایت وضاحت کے ساتھ اور نکھر کر سامنے آیا کہ دین اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور یہ کہ دین اپنا غلبہ چاہتا ہے"۔[7]

گویا ڈاکٹر اسرار احمد کا فکر اصلاً جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے لٹریچر سے اخذ شدہ ہے اور اس کام کو کرنے کا جو جذبہ اور طریقہ کار اختیار کیا گیا وہ بھی اصلاً انہیں سے مستعار لیا ہے کیونکہ ڈاکٹر صاحب خود کہتے ہیں کہ میں نے شعور کی آنکھ اس تحریک کی گود میں کھولی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ اسی کے طفیل پایا۔[8]

---

[1] عزم تنظیم، ص13

[2] عزم تنظیم، ص14

[3] عزم تنظیم، ص 18

[4] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2012ء)، مروجہ تصوف یا سلوک محمدی یعنی احسان اسلامی، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 11

[5] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2011ء)، مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 49

[6] جو ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتاب 'دینی فرائض کا جامع تصور' میں تفصیلاً موجود ہے۔

[7] حقیقت ایمان، ص17،16

[8] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2015ء)، اسلام اور پاکستان، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 87

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

دیگر شخصیات جن سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے تصور نفاذ دین اور فکری و تحریکی حوالے سے اخذ و استفادہ کیا اور اقامت دین ، غلبہ اسلامی و قیام نظام خلافت کی فکر واضح ہوئی ، ان میں علامہ حمید الدین فراہیؒ، مولانا امین اصلاحیؒ اور مولانا ابو الکلام آزادؒ کا بھی خاصا حصہ شامل ہے ۔ اسی وجہ سے انہوں نے اول الذکر دونوں شخصیات کی کتب کی اشاعت میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ وہ کتب " مبادی تدبر قرآن، دعوت دین اور اس کا طریق کار، قرآن اور پردہ، اقامت دین کے لئے انبیاء کا طریق کار " ہیں۔ ان کتب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس بات کا کھل کر اظہار کیا کہ میں ان شخصیات سے متاثر تھا[1]۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنی فکر پر ابو الکلام آزادؒ کے فکری اثرات کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"اپنے میٹرک کے ان دو سالوں کے دوران میر ا تعارف ابو الکلام آزاد مرحوم کی تحریروں سے بھی ہوا ، الہلال کے بعض پرانے پرچے بھی دیکھنے میں آئے اور کتابی صورت میں مطبوعہ مضامین الہلال بھی میں نے پڑھے ۔ اس سے یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی جس تحریک کا علم اس وقت جماعت اسلامی کے ہاتھ میں ہے اور جو دعوت اس وقت مولانا مودودی پیش کر رہے ہیں، اس دور میں اس کے داعی اول کی حیثیت در اصل مولانا آزادؒ کو حاصل ہے"۔[2]

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ جماعت اسلامی کا تصور اصلاً مولانا آزادؒ سے اخذ شدہ ہے اور ڈاکٹر صاحب کا فکر جماعت اسلامی سے لیا گیا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے ڈاکٹر صاحب کے فکر کی کڑی بالواسطہ طور پر مولانا آزادؒ سے جا ملتی ہے۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب جب بھی اپنی فکر کا پس منظر بیان کرتے ہیں تو جماعت اسلامی کی ساتھ مولانا ابو الکلام آزادؒ کو لازمی ذکر کرتے ہیں، درج ذیل پیراگراف ملاحظہ فرمائیں:

"میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ اگرچہ مجھے احیائے اسلام کا ایک مبہم جذبہ تو اولاً علامہ اقبال کی ملی شاعری سے ملا تھا لیکن اس خاکے میں تحریک اور اس کے لوازم و خدو خال کا رنگ مولانا مودودی کی تحریروں کے ذریعے بھرا گیا ۔ مولانا مرحوم نے جماعت اسلامی کی تاسیس کے موقع پر اپنے نصب العین کی تعبیر حکومت الٰہیہ کی اس اصطلاح سے کی تھی، جس کا استعمال اولاً مولانا ابو الکلام آزادؒ اور پھر ان کے بعد خیری برادران اور علامہ مشرقی نے کیا تھا ۔ لیکن بعد ازاں جب جماعت اسلامی میں مولانا امین احسن اصلاحی کی شمولیت کے بعد ان کے قرآنی فکر کا دھارا بھی مولانا مودودی کے افکار کے دھارے میں شامل ہو گیا تو اس وقت اس کی تعبیر کے لئے خالص قرآنی اصطلاحات یعنی شہادت علی الناس، فریضہ اقامت دین، غلبہ دین حق کا استعمال عام ہو گیا۔ چنانچہ جب خود میں نے 1957ء میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے کے بعد 1965ء میں اپنی ذاتی مساعی کا آغاز کیا تو ان ہی اصطلاحات کو نہ صرف اپنایا بلکہ اپنی بساط بھر مزید مدلل اور مبرھن بھی کیا "۔[3]

یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک اگرچہ نظری اعتبار سے سب سے پہلے احیائے دین کا تصور اقبال کی ملی شاعری سے ہی پیدا ہوا، جیسا کہ سطور بالا سے بھی یہ بات کسی حد تک واضح ہوتی ہے تاہم اجتماعی نظم کی شکل میں سیاسی اعتبار سے حاکمیت الٰہیہ کے نفاذ کی جدوجہد کے لیے پہلی آواز مولانا ابو الکلام کی ہے اور اس صدی کے داعی اول کی حیثیت انھیں حاصل ہے۔[4] ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ہمہ جہتی احیائی عمل کے تین نمایاں منفرد اور ممتاز گوشے ہیں ایک خالص قومی و ملی تحریکیں جیسا کہ تحریک پاکستان ۔ پاکستان۔ دوسرے علماء کرام کی مساعی جن کا اصل ہدف تصحیح عقائد و اعمال، تعلیم کتاب و سنت، حفاظت دین و شریعت اور باطل فرقوں کا ابطال اور جدید فتنوں کا استیصال جیسا کہ علماء کرام کی جملہ جمعیتیں ، ادارے اور تبلیغی جماعت کا کام ۔ تیسرے نمبر پر مثبت احیائی و تجدیدی مساعی جن کا معین مقصود اسلام کی نشاۃ ثانیہ، غلبہ دین حق اور اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت کا قیام، اس تیسرے سلسلے کے داعی اول کی حیثیت مولانا ابو الکلام آزاد کو حاصل ہے ۔[5] مزید ایک جگہ اس تصور کے داعی اول مولانا ابو الکلام آزاد کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایک شاعر کے قول 'ہم اقراری مجرم ہیں ' کے مصداق مجھے برملا اعتراف ہے کہ مجھے اللہ نے جس کام کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے کی توفیق عطا فرمائی ہے ..... وہ وہی ہے جس کی بیسویں صدی عیسویں میں پہلی بار نہایت زور دار دعوت دی تھی مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے الہلال اور البلاغ کے ذریعے اور جس کے لئے انہوں نے عملی جدوجہد کا آغاز بھی حزب اللہ کے قیام کی صورت میں کر دیا تھا"۔[6]

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم بیان کرتے ہیں کہ نظام خلافت کا قیام اور اقامت دین کا کام تدریجاً ہو گا اور یہ سلسلہ گزشتہ کئی سالوں پر محیط ہے تاہم اس وقت بیسویں صدی میں یہ کام بھر پور تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اس کو اس شکل میں پہنچانے میں بہت سے لوگوں کی محنت شامل ہے ۔ پھر تاریخی اعتبار سے پس منظر بیان کرتے ہوئے اپنی فکر اور تحریک کو اس

---

[1] عزم تنظیم، ص 31، 32

[2] عزم تنظیم، ص15

[3] اسرار احمد، ڈاکٹر ،(2013ء)8 خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 7۔( تحریکی اصطلاحات کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے وضاحت کی ہے کہ جب مولانا امین احسن اصلاحی کی جماعت میں شمولیت ہوئی تو ان کی وجہ سے حکومت الٰہیہ کی غیر قرآنی اصطلاح کی جگہ اقامت دین کی اصطلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی قرآنی اصطلاح پر شہادت علی الناس کی گہری فلسفیانہ اصطلاح کا اضافہ ہوا۔ دیکھیے: اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 46)

[4] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ، ص440؛ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو مولانا آزاد کا نام اولین لوگوں میں شمار ہوتا ہے تاہم کلی اعتبار سے اول کہنا محل نظر ہے۔

[5] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 11، 12

[6] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ، ص 427

سلسلے کی کڑی شمار کیا اور لکھا کہ آج سے اٹھاسی سال قبل مولانا ابوالکلام آزادؒ 1912ء میں حکومت الٰہیہ کا نعرہ لے کر اس ملک میں کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے بیعت کی بنیاد پر 'حزب اللہ' قائم کی تھی، الہلال اور البلاغ کے ذریعے دعوت رجوع الی القرآن کا کام بھی شروع کیا اور فکر قرآنی کی ترویج کے لئے کلکتہ میں 'دارالارشاد' کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا۔[1] پھر مولانا آزاد نے سات آٹھ سال کے بعد بددل ہو کر اس مشن سے پسپائی اختیار کرلی، مولانا آزادؒ نے جس کام کو چھوڑا تھا، اس کا بیڑا دوبارہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اٹھایا اور اس خلا کو پر کیا۔ مولانا آزاد نے 'حزب اللہ' قائم کی تھی جبکہ مولانا مودودی نے 'جماعت اسلامی' کی داغ بیل ڈالی۔ مولانا آزاد نے ایک ادارہ 'دارالارشاد' کے نام سے قائم کیا جبکہ مولانا مودودی نے 'دارالسلام' بنایا اور دونوں ہی سات آٹھ سال اس کو قائم رکھ سکے ، قیام پاکستان کے بعد جب مولانا مودودیؒ نے مع اپنی جماعت کے سیاست میں شمولیت اختیار کی تو گویا معنوی اعتبار سے انھوں نے اس مشن کو ترک دیا اور ایک دفعہ پھر خلا پیدا ہو گیا اب اس خلا کو پر کرنے اور براہ راست اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی دعوت و تحریک کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے میں نے اس کام کا آغاز کیا ہے۔[2] لہذا ہمارا موقف یہی ہے کہ ہماری دعوت و تحریک الہلال اور البلاغ اور ترجمان القرآن اور الجہاد فی الاسلام ہی کی صدائے بازگشت ہے اور ہماری قائم کردہ تنظیم اسلامی، حزب اللہ اور جماعت اسلامی ہی کے سلسلے کی کڑی اور اسی کوشش کا مظہر ہے۔[3]

بیسویں صدی کی وہ شخصیات کہ جنھوں نے سب سے برصغیر میں احیائے دین کے لیے نظری اور عملی اعتبار سے کام کیا، انکا تذکرہ کرتے ہوئے مذکورہ بات کو یوں لکھتے ہیں۔

"ان شخصیتوں میں سرفہرست علامہ اقبال کا نام ہے انہوں نے مسلمانوں کی قومی تحریک میں مذہبی جذبے اور رنگ کی آمیزش کی جو کامیاب کوشش کی وہ ظاہر و باہر ہے..... علامہ کے ساتھ ہی ایک دوسری شخصیت جس نے ایک بار حکومت الہیہ کا نعرہ لگا کر امت مسلم کی عمر رفتہ کو آواز دی اور امام الہند کا خطاب پایا وہ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی تھی .... امام الہند کی دعوت کی گھن گرج کچھ کم ہوئی ہی تھی کہ ایک تیسری شخصیت جسے ان ہی کی شخصیت کا معنوی تسلسل قرار دیا جا سکتا ہے ، انہیں ان کی زندگی ہی میں مرحوم قرار دے کر ان کے ترک کردہ مشن کی تکمیل کے عزائم کے ساتھ سامنے آئی یہ مولانا سید ابوالاعلی مودودی تھے "۔[4]

تاریخی پس منظر کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ تحریک آزادی کے دور میں ایک اور شخصیت جمت "وعلمائے ہند کے مشہور رہنما' مولانا ابوالمحاسن سجاد بہاری' نے حکومت الہیہ کے نام سے ایک منصوبہ تیار کیا تھا جو کہ الہلال اور البلاغ کے پیغام کی صدائے بازگشت تھی ۔ مولانا بہاری نے اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب بھی لکھی۔ اس منصوبہ کے مطابق ہندوستان کے بعض حصوں جیسے بہار، اڑیسہ و غیرہ میں امارت شرعیہ قائم کر دی گئی تھی۔[5] اس سے بھی اصلاً یہی بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پاک وہند میں اقامت دین اور حکومت الہیہ کے قیام کی اولاً جو صدا بلند کی گئی وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہی مرہون منت تھی۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا اقامت دین کے تاریخی تناظر میں بڑا واضح موقف ہے کہ اس کے داعی اول مولانا آزاد ہیں اور انہوں نے ہی مسلمانان ہند کی ایک بہت بڑی تعداد کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور ان کے سامنے نہ صرف یہ کہ اعلائے کلمۃ اللہ یا قیام حکومت الہیہ کا نصب العین رکھا بلکہ اس کے لئے طریق کار کی بھی نشاندہی فرمادی اور امام مالک کا یہ قول "لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا" یاد دلا کر واضح کر دیا کہ اس مقصد کے لئے پیش قدمی صرف اور صرف نبوی منہج عمل پر ممکن ہے جس کے تین لازمی اجزاء ہیں: پہلا دعوت و تبلیغ اور تطہیر افکار و تعمیر سیرت بذریعہ قرآن ۔ دوسرا بفحوائے حدیث نبوی "وَأَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللَّهُ أَمَرَنِي بِهِنَّ، السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالجِهَادُ وَالهِجْرَةُ وَالجَمَاعَةُ"[6] تنظیم اور شیرازہ بندی بذریعہ بیعت۔ تیسرا جذبہ و جوش جہاد اور ذوق و شوق شہادت۔ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا آزاد میں ہمت و عزیمت کی فراوانی کا عالم یہ تھا کہ 1912ء میں 24 برس کی عمر میں الہلال جاری کیا اور پھر اگلے ہی سال 1913ء میں بیعت کی اساس پر بالفعل 'حزب اللہ' قائم فرمادی۔[7]

جیسا کہ اوپر واضح ہوا کہ توحید حاکمیت کے حوالے سے اجتماعی نظم کی شکل میں سب سے اول داعی مولانا آزادؒ ہیں، مولانا مودودی اور ان کی جماعت کا نمبر ان کے بعد آتا ہے، اسی طرح ڈاکٹر صاحب مرحوم کا یہ دعوی بھی ہے کہ مولانا مودودیؒ نے صرف ان کے بعد کام ہی شروع نہیں کیا بلکہ وہ ابوالکلام کی دعوت سے بے حد متاثر بھی تھے اور انہوں نے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فلاحی عبید اللہ فہد، ڈاکٹر، (س ن)، احیائے دین اور ہندوستانی علماء (نظریاتی تفسیر و عملی جدوجہد)، القلم پبلی کیشنز، ٹرک یارڈ، بارہمولہ، کشمیر؛ الہلال، جلد 2، شمارہ 1، 6 جنوری 1912ء، الہلال، جلد 3، شمارہ نمبر 2، 9 جولائی 1912ء، الہلال، جلد 2، شمارہ 1، 8 جنوری 1913ء، الہلال جلد 2، شمارہ 3، 22 جنوری 1913ء، لہلال، جلد 3، شمارہ 1، 2 جولائی 1913ء، الہلال جلد 3 شمارہ 2، 9 جولائی 1913ء، الہلال، جلد 3، شمارہ 3، 16 جولائی 1913ء، الہلال، جلد 3، شمارہ 5، 30 جولائی 1913ء، الہلال، جلد 1، شمارہ 9، 8 ستمبر 1913ء، الہلال، جلد 3، شمارہ نمبر 23، 3 دسمبر 1913ء، الہلال، جلد 5، شمارہ 1، یکم جولائی 1914ء، الہلال ، جلد 5، شمارہ 2، 8 جولائی 1914ء

[2] خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ص 200، 201؛ اسرار احمد، ڈاکٹر ، (2015ء)، جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 23، 31، 427، 428؛ اسرار احمد ، ڈاکٹر، (2014ء)، تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔ ص 35 تا 42

[3] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ، ص 474

[4] اسلام اور پاکستان، ص 16

[5] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ، ص 415

[6] ترمذی، محمدبن عیسی، (1395ھ)، سنن ترمذی، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي ،مصر-ج 5، ص 148، رقم: 2863

[7] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ، ص 435

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol. 6 No. 1 2022

مولانا آزادؒ کے قرآنی فکر اور جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق نظریات سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ مولانا مودودی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس دور میں جس شخص سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی سب سے زیادہ امیدیں وابستہ تھیں وہ مولانا آزاد تھے [1]۔ یہ بات بھی بطور دلیل کے لکھی ہے کہ وہ متعدد اہم اشخاص جو پہلے مولانا آزاد سے بیعت اور 'حزب اللہ' میں شریک تھے ، بعد ازاں جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے جیسے مستری محمد صدیق، ملک نصر اللہ خان عزیز اور شیخ قمر الدین مرحوم۔[2] ایک اور جگہ مذکورہ بیانیہ کی بھرپور دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چنانچہ یہ محض اتفاق نہیں کہ مولانا مودودی مرحوم کی پہلی تصنیف تھی 'الجہاد فی الاسلام' جو گویا نہایت بسیط اور مدلل صدائے بازگشت تھی الہلال اور البلاغ کی دعوت جہاد فی سبیل اللہ کی ، اور مولانا آزاد مرحوم کی تفسیر اور مولانا مودودی مرحوم کے ماہنامے دونوں کا نام ایک ہی ہے یعنی ترجمان القرآن ، جو مولانا مودودی مرحوم کے بعض نظریات سے شدید اختلاف کے باوجود میری رائے ہے کہ انہوں نے اصلاً اس دعوت کے تسلسل کو قائم رکھا جس کے داعی اول مولانا آزاد تھے "۔[3]

یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے نزدیک مولانا آزاد کی شخصیت کا معنوی تسلسل 33-1932 میں مولانا مودودی کی صورت میں سامنے آیا اور ترجمان القرآن اصلاً الہلال اور البلاغ کی صدائے بازگشت ہے اور حزب اللہ کی بدلی ہوئی صورت 1941 میں جماعت اسلامی کی شکل میں سامنے آئی۔[4]

یہاں یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جس طرح ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے مولانا مودودیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی فکر، فکر آزاد سے اخذ شدہ ہے اسی طرح ان کا یہ دعویٰ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تمام کی تمام انقلابی فکر ، فکر اقبال سے ماخوذ ہے۔ یہ بات اس وجہ سے کہی کہ انھوں نے علامہ اقبالؒ کو شاہ ولی اللہؒ کی مانند اور مجدد الف ثانی کا ظل و بروز قرار دیتے ہوئے[5] برصغیر میں انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل میں ایک نمایاں مقام دیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کی جملہ احیائی مساعی کی بنیاد میں علامہ اقبالؒ ہی کا فکر کار فرما ہے۔[6] اسی موقف کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ یہ علامہ کی ہی تجدید فکر اسلامی تھی جس کے نتیجے میں اولاً مولانا ابوالکلام آزاد نے حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگایا اور حزب اللہ قائم کی اور بعد ازاں مولانا مودودیؒ میدان میں اترے۔ جنہیں حضرت علامہ ہی نے پنجاب نقل مکانی کی دعوت دی، جہاں کی فضا علامہ کی ملی شاعری کے ذریعے بہت ہموار اور ساز گار ہو چکی تھی ۔[7]

مزید ایک جگہ ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودیؒ کی فکر پر، فکر اقبال کے اثرات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اگر شخصی محبت وعقیدت کے پردے ہٹا کر حقیت پسندانہ نگاہ سے دیکھا جائے، تو صاف محسوس ہو گا کہ 1908ء میں جب اقبال کی ملی شاعری کا ڈنکا بجنا شروع ہوا، اس وقت ابوالکلام آزاد کی عمر محض بیس برس تھی تو کیسے ممکن ہے کہ انھوں نے اقبال کی ملی شاعری کا اثر قبول نہ کیا، لہٰذا اس ملی شاعری سے جو احیائی جذبہ بیدار ہوا تھا اس نے مختلف پیکر اختیار کرنے شروع کر دیے تھے، ان میں اولاً جو داعی اور قائد سامنے آئے ان میں اہم ترین شخصیت ابوالکلام آزادؒ کی تھی ، جنھوں نے 1913ء میں 'حزب اللہ' قائم کی، لہٰذا اس کا قیام علامہ اقبال کے انقلابی فکر کی تعمیل کی جانب پہلا قدم تھا، جو 1920ء کے لگ بھگ اختتام کو پہنچا اور جب 1920ء میں وہ منظر سے ہٹ گیے تو فکر اقبال کی روح باطنی اور قوت متحرکہ نے بہت جلد مولانا مودودیؒ کی صورت میں نیا پیکر تلاش کر لیا، لہٰذا دوسری شخصیت مولانا مودودیؒ کی تھی جس نے اقبال کی انقلابی فکر کی تعمیل کے لیے دوسرا قدم اٹھایا۔ ثبوت اس بات کا یہی دیا ہے کہ مولانا مودودیؒ کو علامہ اقبالؒ نے ہی جنوبی ہند سے شمالی ہند نقل مکانی کی دعوت بھی دی اور عملی تعاون بھی کیا۔[8] گویا اس لحاظ سے ابوالکلام آزادؒ اور مولانا مودودیؒ دونوں کی فکر، فکر اقبال کا پرتو ہوئی۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے موقف کے مطابق مولانا مودودیؒ نے اقبال اور آزاد دونوں سے فکری غذا حاصل کی، اس لیے مولانا کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ جب مولانا نے شعور کی آنکھ کھولی تو اس وقت ایک طرف علامہ اقبال کی ملی شاعری نے پورے ہندوستان میں احیائی جذبے کو بیدار کر دیا تھا اور تو دوسری طرف ابوالکلام آزادؒ کی شخصیت کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا، چنانچہ مولانا مودودیؒ نے ان دونوں اعاظم رجال سے بھرپور استفادہ بھی کیا اور گہرا تاثر بھی قبول کیا اور اس طرح مجمع البحرین کی حیثیت اختیار کر کے ان دونوں کے مشن کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔[9]

---

[1] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 20،21
[2] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 22
[3] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 428
[4] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص439
[5] اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 36،31
[6] اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 34
[7] اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 32
[8] اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 37،40 تا42
[9] اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 43

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

اس لیے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کبھی مولانا کو اقبال کا شارح اور مفسر کہتے ہیں تو کہیں مولانا کی کتاب 'الجہاد فی الاسلام' کو الہلال اور البلاغ کی دعوت جہاد کی تفصیل اور توضیح کہا اور جماعت اسلامی کو حزب اللہ کا معنوی تسلسل شمار کیا ہے۔[1]

یہاں یہ بتانا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے فکر آزاد کو فکر اقبال سے ماخوذ قرار دیا ہے تاہم دونوں کے بارے میں اتنی بات ضرور لکھی ہے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کا تذکرہ اور عظمت قرآن کے بیان کے اعتبار سے دونوں کے ہاں قدر مشترک ہے لیکن عملی جدوجہد کے ضمن میں راست اقدام کے ناگزیر تقاضوں کی تعمیل اور تکمیل کی جانب توجہ دلانے کے ساتھ ساتھ پہلا عملی قدم ابوالکلامؒ نے اٹھایا، جس کے لیے انھوں نے ایک طرف تو قیام خلافت کی فرضیت اور ضرورت واہمیت پر زور دیا اور بتلایا کہ یہ کام ایک منظم اور سمع وطاعت کی خوگر جماعت کے قیام کے بغیر ناممکن ہے اور دوسری طرف بیعت کی اساس پر ہی حزب اللہ کے نام سے ایک جماعت بھی قائم کر دی۔ گویا اس اعتبار سے وہ حضرت علامہ سے منفرد نظر آتے ہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے ان کا پوری امت مسلمہ پر بالعموم اور حال اور مستقبل کی تمام احیائی تحریکوں پر بالخصوص عظیم احسان ہے۔[2]

اسی طرح اگرچہ انھوں نے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو اقبال اور آزاد کی فکر کا معنوی تسلسل قرار دیا ہے لیکن ایک اعتبار سے فرق بھی بیان کیا ہے وہ اس طرح کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے جماعت اسلامی کی ناکامی کے کچھ اسباب بیان کیے جیسا کہ روحانیت کا فقدان، زمینی سود کی تائید، مراحل انقلاب میں مرحلہ تصادم واقدام کا فقدان اور تنظیمی ڈھانچہ میں مغربیت۔ اس کے بعد اقبال اور آزاد کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے لکھا کہ پہلے تین معاملات میں اقبال سے پیچھے رہے اور چوتھے معاملہ میں آزاد سے بھی پیچھے رہے۔[3]

بہر صورت مذکورہ گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ عملی اعتبار سے اقامت دین کے داعی اولا ابوالکلام آزاد تھے، اور ان کا معنوی تسلسل مولانا مودودی تھے، اور یہ دونوں نظری اعتبار سے فکر اقبال سے متاثر تھے اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسی تسلسل کا سلسلہ ہیں، لہٰذا ان کی فکر کی کڑی مولانا مودودی سے ابوالکلام تک اور وہاں سے علامہ اقبال تک جا ملتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم مزید اس سلسلہ اقامت دین کو شیخ الہندؒ کے ساتھ منسلک کرتے ہیں اور پھر خود کو اس کی کڑی قرار دیتے ہیں وہ اس طرح کہ مولانا آزادؒ جنہوں نے اقامت دین کی دعوت دی، اس دعوت نے شیخ الہندؒ کو ان کا گرویدہ بنا دیا اور مشہور الفاظ کہے "اس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد کروا دیا ہے "۔[4] اور پھر 1915ء میں مولانا آزاد نے خود حضرت شیخ الہندؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ مزید یہ کہ شیخ الہندؒ نے اپنے آخری چھ ماہ جو انہوں نے اسیری کی حالت میں بسر کئے، ان میں پوری دنیا کے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی تباہی کا سبب یہی نکالا کہ ایک تو قرآن مجید کو چھوڑ دیا اور دوسرا آپس کے اختلافات پیدا ہو گئے۔ یہی بات مولانا آزادؒ نے 1915ء کو البلاغ کے پہلے شمارے میں کہی اور اس کا علاج ایک ہی جملے میں یوں دیا کہ لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح اولھا۔ اور وہ طریقہ کار صرف اور صرف یہی ہے کہ قرآن حکیم کے اصلی و حقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کئے جائیں۔[5]

اس مذکورہ بحث سے ڈاکٹر مرحوم ایک اہم نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اقامت دین کا یہ سارا تسلسل اصلاً حضرت شیخ الہند کی ساتھ جڑ جاتا ہے اور اس کی دلیل یہ دی کہ مفتی محمود حسنؒ نے مسئلہ امارت وامامت کے سلسلہ میں جس شخص کے ہاتھ پر بیعت کا اشارہ کیا تھا اور باقاعدہ ایک نظم اجتماعی قائم کرنے کی تجویز دی تھی وہ یہی مولانا آزادؒ ہی تھے۔ اور پھر حضرت شیخ الہند کی ایما پر جمعیت علمائے ہند کے اجلاس میں مفتی کفایت اللہ دہلوی کی تجویز اور مولانا احمد سعید دہلوی کی تائید کے ساتھ پیش ہونے والا امامت وامارت اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کا معاملہ بھی بین دلیل ہے۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر حضرت شیخ الہند کی جماعت کسی حقیقت واقعہ کا نام ہے تو 1920ء میں اس کا عظیم ترین مظہر مولانا آزادؒ کی ذات تھی۔ پھر یہ بھی نتیجہ نکالا کہ مولانا مودودی بھی حضرت شیخ الہند ہی کی جماعت کے ایک فرد تھے اور ان کا ترتیب دیا ہوا قافلہ غلبہ واقامت دین بھی جماعت شیخ الہند ہی کی ایک شاخ تھا۔[6]

اس ساری بحث کے بعد بانی تنظیم یہ بات اخذ کرتے ہیں کہ تنظیم اسلامی جماعت اسلامی کا، جماعت اسلامی مولانا آزادؒ کی دعوت انقلاب کا تسلسل ہے اور مولانا آزادؒ کو چونکہ شیخ الہند کی سند حاصل تھی، لہٰذا اس اعتبار سے ڈاکٹر مرحوم اپنے آپ کو شیخ الہند کی ساتھ منسلک کرتے ہیں، الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"راقم کے نزدیک اصل اہمیت اس اصولی دعوت وتحریک کی ہے جس کے وہ 1939ء تا 1947ء تک داعی و قائد رہے اور جو اصلاً تسلسل ہے مولانا آزاد مرحوم کی 1912ء تا 1920ء کی دعوت وتحریک کا، اور جس کی امانت کا بار گراں اب راقم الحروف اپنے ضعیف وناتواں شانوں پر محسوس کرتا ہے اور اس اصولی دعوت وتحریک

[1] اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 44، 45
[2] اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 37 تا 40
[3] اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 53
[4] ان الفاظ کی توثیق ڈاکٹر اسرار احمد نے ذاتی طور پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری سے بھی حاصل کی تھی ۔ جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ، ص 435
[5] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ، ص 435 تا 437
[6] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ، ص 438، 439

کی حد تک چونکہ مولانا آزاد کو سند حاصل تھی حضرت شیخ الہند کی، لہذا راقم اپنے آپ کو ان دو واسطوں سے اصلاً منسلک سمجھتا ہے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن ؒ کے ساتھ "۔[1]

ایک دوسری جگہ پر لکھا:

"شیخ الہند کے نام نامی سے سب سے زیادہ نمایاں طور پر معنوی سلسلہ تو وہ ہے جو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کی ذات سے چلا جبکہ راقم کے نزدیک حضرت کی حیات مستعار کے آخری دور کی کیفیات کے اعتبار سے سب سے زیادہ مستند سلسلہ وہ ہے جس کی پہلی کڑی تھے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم، دوسری کڑی تھے مولانا مودودی مرحوم اور تیسری کڑی ہے بزعم خویش ان سطور کا حقیر و عاجز راقم "۔[2]

بہر صورت ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس بات کو بیان کرنے میں قطعاً عار محسوس نہیں کرتے کہ ان کی فکر دینی اور تصورات کا تانا بانا اصلاً علامہ اقبال اور تبعاً مولانا آزاد اور مولانا مودودی کی فکر پر مبنی ہے اور ان کی قلبی محبت وعقیدت کا رشتہ اصلاً مولانا شیخ الہند اور تبعاً مولانا مدنی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ ہے۔[3] بلکہ وہ اپنے کام دعوت رجوع الی القرآن کو امام الہند شاہ ولی اللہ سے جوڑتے ہیں کہ دعوت رجوع الی القرآن کا جو کام شاہ ولی اللہ نے شروع کیا تھا وہی کام مختلف نسلوں سے ہوتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔[4]

خلاصہ کے طور پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنی فکر کو آٹھ شخصیات سے منسوب کیا ہے کہ میری فکر میں ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلی مودودی ؒ کی دعوت حرکت وجہاد بھی ہے اور مولانا فراہی واصلاحی کا تدبر وتعمق بھی ہے۔ پھر ڈاکٹر علامہ اقبالؒ اور ڈاکٹر رفیع الدین کی سائنسی اور فلسفیانہ فکر بھی شامل ہے اور سب سے بڑھ کر شیخ الہند مفتی محمود حسن ؒ اور شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ کے تمسک بالاسلاف کا تحفظ اور تصوف قرآن کی چاشنی بھی ہے۔ لہذا میری فکر میں دو شیخین ہیں تو دو ہی ابوین ہیں۔ اسی طرح دو ہی دکتورین ہیں اور دو ہی وہ ہیں جن کے ناموں کے لاحقے یائے نسبتی کی بنا پر مشابہ ہیں۔[5] ایک جگہ اپنی دعوت رجوع الی القرآن اور فکری تعبیر کے تاریخی پس منظر میں مختلف شخصیات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس میں کم از کم چار منبعوں سے پھوٹنے والے ستونوں کا قران السعداء موجود ہے یعنی ایک حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی کا رسوخ فی العلم..... دوسرے ڈاکٹر محمد اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی جدید فلسفہ وسائنس اور جدید سیاسیات واقتصادیات کے ضمن میں تنقیدی بصیرت، تیسرے مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا مودودی مرحوم کا جذبہ حرکت وعمل اور تصور جہاد فی سبیل، اور چوتھے مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کا تعمق وتدبر قرآن کا اسلوب ومنہاج"[6]۔

مزید ایک جگہ اپنی فکر کے ماخذوں کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"راقم کی فکر ونظر پر ھو الاول و الاخر کے مصداق ابتدائی اور تکمیلی چھاپ تو ہے علامہ اقبال مرحوم کی، ان میں سے ابتدائی تاثر زیادہ جذباتی ہے جس کا حاصل ہے جذبہ ملی اور تکمیلی رنگ خالص فکری ہے جس کا موضوع ہے فکر جدید کے پس منظر میں قرآن حکیم کا مطالعہ یا قرآن کی روشنی میں فکر جدید کا جائزہ وتجزیہ۔ ان کے مابین رواں ہیں مولانا ابوالکلام آزاد اور سید ابوالاعلی مودودی کی قرآنی دعوت وجہاد وانقلاب، اور امام حمید الدین فراہی اور مولانا امین ااحسن اصلاحی کے طریق تدبر قرآن اور حضرت شیخ الہند اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے علم راسخ کے کوثر وتسنیم ایسے چشمے "۔[7]

جہاں تک منہج انقلاب کی بات ہے تو اس حوالے سے اگرچہ ڈاکٹر صاحب کا دعوی ہے کہ ان کا اختیار کردہ منہج انقلاب سارے کا سارا سیرت رسول سے ماخوذ ہیں۔[8] اور اس بات کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ایک ضخیم کتاب بعنوان 'منہج انقلاب نبوی' بھی لکھی۔ تاہم سوال یہ ہے کہ اصلاً یہ تصور ان میں کہاں سے پیدا ہوا، جس کے لیے بعد ازاں انھوں نے سیرت سے استدلال کیا۔ تو اس اعتبار سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ جماعت اسلامی اور مولانا مودودیؒ سے ہی متاثر ہوئے، تاہم انھوں نے اس بات کی کھل کر وضاحت کی ہے کہ وہ اس اصولی وانقلابی جماعت اور مولانا کے طریقہ کار کے پیرو ہیں جو تقسیم ہندوستان سے قبل کی جماعت اسلامی اور مولانا تھے۔[9] یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب مولانا مودودیؒ اپنی

---

[1] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 441

[2] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 471

[3] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 26

[4] خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ص 201

[5] دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر، ص 26

[6] جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 24

[7] دعوت رجوع الی القرآن کا منظر وپس منظر، ص 132

[8] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، رسول اکرم اور ہم، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 364؛ خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام: 167؛ اسرار احمد، ڈاکٹر، (2017ء)، منہج انقلاب نبوی، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 22؛ اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید وتعمیل، ص 76

[9] اسرار احمد، ڈاکٹر، (2011ء)، مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔ ص 49

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

اپنی جماعت اسلامی سمیت سیاست میں شامل ہوئے اور انقلابی طرز کی بجائے جمہوری طریقہ اختیار کیا تو وہ اس سے علیحدہ ہو گئے اور اس کی وجہ بھی یہی بیان کی کہ اب وہ اصل طریقہ سے ہٹ گئی ہے۔ پھر اس پیدا شدہ خلا کو پر کرنے کے لیے خود ایک تحریک 'تنظیم اسلامی' قائم کی۔[1]

مزید یہ کہ انھوں نے اپنے انقلابی عمل کے سات مراحل بتلائے ہیں[2]۔ اگرچہ وہ سات مراحل سیرت رسول سے اخذ کیے ہیں، تاہم ان کی فکر بھی علامہ اقبالؒ کے دو اشعار سے کشید کی ہے، علامہ اقبالؒ کے ایک شعر

چو بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

سے مرحلہ اول کی فکر حاصل کی اور دیگر ایک شعر

بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

سے استدلال کرتے ہوئے باقی چھ مراحل کو بیان کیا ہے۔[3]

جیسا کہ ابھی حاشیہ میں واضح ہوا کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے انقلاب کے سات مراحل بیان کیے ہیں، جن میں آخری مسلح تصادم ہے، اور پھر لکھا کہ تمدن بدل جانے کی وجہ سے اب یہ ممکن نہیں رہا کہ مسلح تصادم کیا جائے بلکہ اس کے متبادلات تلاش کرنے ہوں گے لہٰذا خود ہی مسلح تصادم کا متبادل 'احتجاج' بتایا، اور اس کے لیے دو شخصیات کو بطور مثال پیش کیا۔ ان میں ایک گاندھی کی شخصیت ہے۔ گاندھی کی عدم تعاون کی پالیسی اور سول نافرمانی و ترک موالات کی تحریک کو بطور مثال اور ماڈل کے پیش کرتے ہیں۔ دوسرے آدمی امام خمینی ہیں، خمینی کے انقلاب ایران کو بڑی شد و مد کے ساتھ بطور نمونہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایرانی انقلاب احتجاج اور پورے نظام کو بلاک کر دینے کی صورت میں تھا۔[4] بہر صورت اس سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ اصولی اور نظری اعتبار سے انقلاب کا تصور مولانا مودودیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ سے اخذ کیا ہے تاہم اس کو عملی شکل دینے کے لیے احتجاجی طریقہ کار کے طور پر گاندھی اور خمینی کو بھی بطور ماڈل پیش کیا ہے۔

**خلاصہ بحث:**

برصغیر پاک و ہند میں بیسویں صدی سے مختلف انداز سے اجتماعی سطح پر غلبہ دین کی کوششیں جاری ہیں جس کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گیے، اور مختلف شخصیات نے اپنی بساط کے مطابق حصہ ڈالا، ان میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا نام بھی شامل ہے کہ جنہوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد اپنی ایک تحریک 'تنظیم اسلامی' قائم کی، جس کا مقصد قیام خلافت، اقامت دین اور نفاذ اسلام ہے۔ بانی تنظیم اسلامی کے نزدیک دین سے مراد وہ نظام زندگی ہے جس میں کسی ہستی یا ادارے کو مطاع مطلق اور حاکم حقیقی تسلیم کر کے، اس کے بنائے ہوئے قوانین کو تسلیم ولاگو کیا جاتا ہے، لہٰذا دین اللہ کا مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کو حاکم حقیقی اور مقنن مان کر اس کے قوانین کو ایک نظام زندگی تسلیم کرنا، اور اقامت دین کا مفہوم یہ بنے گا کہ ان قوانین الٰہیہ کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر تمام لوازم و مقتضیات سمیت لاگو و نافذ کرنا یا رکھنا۔

جہاں تک ان کے تصورات اور فکر کی بات ہے تو تمام حوالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سب سے اول علامہ اقبال کی ملی شاعری کے ذریعے یہ شعور بیدار ہوا کہ مسلمان اور اسلام کا اصل مقام یہ ہے کہ اسے غالب ہونا چاہیے۔ دوسری شخصیت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی ہے، جن کی فکر سے یہ تاثر مزید گہرا ہوا، اور پھر فکری و تحریکی اعتبار سے اس اثر میں مزید رنگ مولانا مودودیؒ کی فکر اور لٹریچر نے بھرا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تصورات اور فکری ماخذ کے اعتبار سے مذکورہ شخصیات کے علاوہ علامہ حمید الدین فراہی، شیخ الہند مفتی محمود حسنؒ، مولانا امین احسن اصلاحی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور ڈاکٹر رفیع الدین کا تذکرہ کیا ہے۔

مزید یہ کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے نزدیک نظری اعتبار سے بیسویں صدی عیسوی کی تمام احیائی مساعی کی بنیاد اقبال کی انقلابی فکر ہے اور ایک نظم کی شکل میں تحریک احیائے دین کے موسس اور اولین داعی کی حیثیت مولانا آزاد کو حاصل ہے جنہوں نے الہلال اور البلاغ کے ذریعے حکومت الٰہیہ کے قیام کی پر زور دعوت پیش کی اور اس کے لیے حزب اللہ کی تاسیس کا ایک مکمل خاکہ بھی پیش کیا۔ تاہم کچھ داخلی و خارجی حالات کی وجہ سے وہ اس کام کو جاری نہ رکھ سکے تو تقریباً دس سال بعد مولانا مودودی نے یہ دعوت پیش کی اور بالآخر 1941ء میں جماعت اسلامی کی شکل میں ایک منظم جدوجہد کا آغاز ہوا۔ لہٰذا مولانا مودودی نے جو دعوت اور فکر پیش کی وہ اصلاً مولانا آزاد کی دعوت کی بازگشت تھی۔

قیام پاکستان کے بعد جب جماعت اسلامی نے سیاست میں شمولیت اختیار کی تو جماعت کے اس انتقال موقف سے ایک بار پھر احیائے اسلام کے ہمہ جہتی عمل میں ٹھیٹھ اصولی اسلامی تحریک کی جگہ ہو گئی۔ اس خلا کو پر کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اولاً جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور پھر از سر نو اس مشن کو جاری رکھنے کے لئے حلقہ ہائے مطالعہ

---

[1] خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ص 200-201؛ جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، ص 23، 31، 427، 428

[2] جو ان کی اکثر کتب میں مل جاتے ہیں تاہم ان کی کتاب 'منہج انقلاب نبوی' اور 'رسول انقلاب کا طریق انقلاب' میں بالتفصیل موجود ہیں۔ وہ سات مراحل یہ ہیں: (1) انقلابی نظریہ اور دعوت (2) تنظیم (3) تربیت و تزکیہ (4) صبر محض (Passive Resistance) (5) اقدام اور چیلنج (Active Resistance) (6) مسلح تصادم (7) توسیع و تصدیر۔

[3] اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، ص 26 تا 29

[4] رسول انقلاب کا طریق انقلاب، ص 54 تا 56؛ امت مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل، ص 54؛ حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامورین کا باہمی تعلق، ص 228؛ یادگار انٹرویو، ص 16؛ رسول اکرم اور ہم، ص 465 تا 467؛ منہج انقلاب نبوی، ص 355 تا 357، 374؛ خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ص 195؛ تنظیم اسلامی کی دعوت، ص 41، 43

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

قرآن قائم کئے جس کی کوکھ سے چند سال بعد 'مرکزی انجمن خدام القرآن' بر آمد ہوئی اور اس کے کچھ عرصہ بعد 'تنظیم اسلامی' کا قیام عمل میں آیا جو اس ٹوٹے ہوئے تسلسل کو قائم کرنے کی کوشش ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے یہ بات بھی واضح کی کہ مولانا آزاد اور مولانا مودودی دونوں کی فکر پر علامہ اقبال کی انقلابی فکر کے اثرات ہیں بلکہ ان کی فکر اصلاًوہی سے اخذ شدہ ہے اور پھر اس لحاظ سے اپنی فکر کو براہ راست اور بالواسطہ دونوں اعتبار سے فکر اقبال سے منسلک کیا ہے۔ اسی طرح طریقہ کار کے لیے بھی علامہ اقبال کی شاعری سے استدلال کیا ہے مزید گاندھی اور خمینی کی بھی مثالیں دی ہیں۔

## مصادر و مراجع

1) القرآن الکریم
2) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، رسول اکرم اور ہم، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
3) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2013ء)8 خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
4) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2015ء)، جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
5) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2009ء)، عزم تنظیم، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
6) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2013ء) رسول انقلاب کا طریقہ انقلاب، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
7) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، تعارف تنظیم اسلامی، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
8) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2007ء)، علامہ اقبال قائد اعظم اور نظریہ پاکستان، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
9) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2017ء)، منہج انقلاب نبوی، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
10) اسرار احمد، ڈاکٹر، (1992ء)، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
11) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2012ء)، مروجہ تصوف یا سلوک محمدی یعنی احسان اسلامی، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
12) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2015ء)، تنظیم اسلامی کی دعوت، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
13) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2015ء)، اسلام اور پاکستان، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
14) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2015ء)، اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
15) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2017ء)8 حقیقت ایمان، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
16) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، رسول اکرم اور ہم، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
17) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2013ء)، قرب الٰہی کے دو مراتب، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
18) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
19) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، مطالبات دین، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
20) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2014ء)، یادگار انٹرویو، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
21) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2016ء)، اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
22) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2016ء)، توحید عملی، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
23) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2017ء)، دینی فرائض کا جامع تصور، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
24) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2017ء)، مطالعہ قرآن کا منتخب نصاب، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
25) اسرار احمد، ڈاکٹر، (اگست 2001ء)، حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامورین کا باہمی تعلق، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
26) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2005ء)، تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
27) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2008ء)، امت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، پاکستان۔
28) اسرار احمد، ڈاکٹر، (2011ء)، مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
29) ترمذی، محمدبن عیسی، (1395ھ)، سنن ترمذی، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر۔
30) خالد نجیب خاں، ڈاکٹر اسرار احمد، ہفت روزہ فیملی میگزین لاہور، جلد 20، شمارہ 31، 25 اپریل تا یکم مئی 2010ء
31) دستور تنظیم اسلامی، (2016ء)، ترمیم شدہ اپریل 2013 ناشر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور، پاکستان۔
32) رافعۃ الجبین، (جنوری 2016ء)، ڈاکٹر اسرار احمد شخصیت اور دینی خدمت، مکتبہ خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
33) شامی، مجیب الرحمن، ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم اور ان کی خدمات، ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور، جلد 19، شمارہ 17، 27 اپریل تا 3 مئی 2010ء
34) عاکف سعید، حافظ، (نومبر 2006ء)، علامہ اقبال کی آخری خواہش، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، پاکستان۔
35) فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، (دسمبر 1994ء)، علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس
36) فلاحی عبید اللہ فہد، ڈاکٹر، (س ن)، احیائے دین اور ہندوستانی علماء (نظریاتی تفسیر و عملی جدوجہد)، القلم پبلی کیشنز، ٹرک یارڈ، بارہمولہ، کشمیر
37) مرکز تعلیم و تحقیق، وفات محترم بانی تنظیم، ماہنامہ میثاق، لاہور، (پاکستان) جلد 59، شمارہ 5، مئی 2010ء
38) وسیم احمد، ڈاکٹر اسرار احمد کا سفر آخرت، ہفت روزہ ندائے خلافت، لاہور، (پاکستان) جلد 19، شمارہ 17، 27 اپریل تا 3 مئی 2010ء